© rasailojaraid.com

اداریہ

نیویارک اور واشنگٹن پر دہشت گردی کا خوفناک حملہ

کہا جاتا ہے کہ جب ۶؍جولائی ۱۹۵۶ء کو مصر کے مرحوم انقلابی رہنما صدر جمال عبدالناصر نے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا تو قاہرہ میں فرطِ دہشت سے (برطانوی) سفیر کے ہاتھ سے چائے کی پیالی گر گئی[۱]۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ مصر بین الاقوامی آبی شاہراہ سویز پر قبضہ کر کے اینگلو فرنچ سامراج کو چیلنج بھی کر سکتا ہے! ناصر کے اس فیصلے پر فرانس اور برطانیہ کی شہ پر اسرائیل نے مصر پر حملہ کر دیا اور اس حملے کو روکنے کے لیے اینگلو فرنچ حکومتوں نے مصر کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجوں کو نہر سویز سے دس میل دور رکھے۔ ناصر نے اس مطالبہ کو انتہائی حقارت سے ٹھکرا دیا۔ جس پر برطانیہ اور فرانس نے مصر کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور اکتوبر ۱۹۵۶ء میں اپنی فوجوں کو پورٹ سعید (مصر) میں اتار دیا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں حکومت نے اپنی فوجی کارروائی کا جواز بیان کرتے ہوئے کہا کہ مصر اور اسرائیل کی جنگ کو روکنے کے لیے مصر میں اینگلو فرنچ فوجیں اتاری گئی ہیں۔ اس بیان پر مزدور پارٹی کے معروف لیڈر بیون نے سرکاری استدلال کے پائے چوبین کو بیان کرتے ہوئے کہا: ’’بہت خوب! آگ کو بجھانے کے لیے آگ لگائی گئی ہے۔‘‘

تقریباً نصف صدی کے بعد جب ۱۱؍ستمبر (۲۰۰۱ء) کو نیویارک اور واشنگٹن پر دہشت گردی کا خوف ناک حملہ ہوا تو پوری دنیا حیرت میں ڈوب گئی اور فرطِ دہشت سے صدر بش کے ہاتھ سے وقار کا دامن چھوٹ گیا۔ صدر بش نے کہا کہ وہ اسامہ بن لادن کو زندہ یا مردہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بے شبہ صدر بش کا یہ کہنا درست ہے کہ یہ دہشت گردی (terrorism) دراصل انسانی تہذیب کے خلاف ہے۔ کیوں کہ کوئی مذہب، کوئی ضابطۂ

۱۔ المجلۃ (قاہرہ، جنوری ۱۹۵۷ء)، ص ۳، (قناۃ السویس از فتحی رضوان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق اور کوئی فلسفۂ زندگی تشدد، قتل و غارت اور لوٹ مار کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ دہشت گردی کسے کہتے ہیں؟ موجودہ وقت میں سیاسی قاموس میں اس کی کوئی معقول تعریف نہیں بتائی گئی۔ البتہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اگر تیغ و سنان طاقت ور کے ہاتھ میں ہیں، تو پھر تشدد اور قتل و غارت کا نام کامیاب سیاست ہے۔ لیکن اگر یہی 'تیغ و سنان' مظلوم کے ہاتھ میں ہیں تو پھر اس کا ہر دفاعی قدم بھی 'دہشت گردی' شمار ہوتا ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس دہشت گردی کی تہ میں کام کرنے والے اسباب و علل کا سراغ لگائے بغیر کیا کوئی حکومت طاقت کے بل پر دہشت گردی پر قابو پا سکتی ہے؟ کیا اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کو ختم کر کے اہلِ امریکہ دہشت گردی سے چھٹکارا پا سکیں گے؟

کیا ہی اچھا ہوتا اگر امریکی اور افغان حکومتیں باہمی مذاکرات سے یہ مسئلہ حل کر کے سلامتی کونسل کی نگرانی میں اسامہ پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کرتیں۔ اگر افغان حکومت بین الاقوامی حالات، یوگوسلاویہ کے سابق صدر اور دوسرے سرب جنگی مجرموں کے خلاف ہیگ عدالت میں چلنے والے مقدمات کا جائزہ لیتی تو وہ جنگ سے بچنے کے لیے بین الاقوامی عدالت میں اسامہ پر مقدمہ چلانے کے لیے شاید تیار ہو جاتی۔ افغان حکومت کے خلاف ۷/اکتوبر کی فوجی کارروائی کے بعد بھی اس بات کا امکان تھا کہ امریکی اور افغانی حکومتوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے گا، افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ یہ ٹھیک ہے کہ افغان حکومت نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا پاس رکھتے ہوئے اپنے مہمان کو امریکی حکومت کے حوالے نہیں کیا۔ لیکن کیا اُسامہ کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ بھی عرب روایات کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے میزبان کو ابتلاء میں نہ ڈالتے اور پوری افغان قوم کو جنگ کی ہولناک تباہی سے بچانے کے لیے اپنے آپ کو بین الاقوامی عدالت کے سپرد کر دیتے اور دنیا کو بتاتے کہ اُنہیں اپنے سابق حلیف (امریکہ) کے خلاف کیوں ہتھیار اُٹھانا پڑا؟

القصہ اگر دونوں طرف سے حکمت و دانش اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جاتا تو شاید نیویارک اور واشنگٹن کے المیہ کے بطن سے دوسرا المیہ جنم نہ لیتا، یعنی افغانستان پر بمباری کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوبت نہ آتی اور ہزاروں لوگ انتہائی بے بسی کی حالت میں اپنے گھروں کو نہ چھوڑتے اور بے گناہ شہریوں کا خون نہ بہتا۔

واقعہ یہ ہے کہ یاسر عرفات حکومت میں شریک ایک فلسطینی دانشور خاتون ڈاکٹر شعراوی نے نیویارک کے اس المیہ پر بیان دیتے ہوئے صحیح کہا کہ اس دہشت پسندی کی تہ میں کام کرنے والے اسباب کا پتہ لگائے بغیر اس مرض پر قابو پانا مشکل ہے۔ بے شبہ عالمی دہشت گردی نے ناگہانی طور پر اپنا مکروہ چہرہ انسانی تہذیب کے سامنے پیش نہیں کیا۔ یہ دہشت گردی ایک مدت سے انسانی سوسائٹی میں اپنا کام کر رہی تھی۔ لیکن بڑی حکومتیں اپنے نشۂ اقتدار میں مدہوش مظلوم انسانوں کی آہوں کو سننے سے معذور تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی فرد یا معاشرہ کسی دوسری قوم کی زیادتیوں اور ناانصافیوں کا شکار ہوتا ہے اور وہ ان زیادتیوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتا تو پھر وہ مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں ایسے قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے جو مذہب یا سوسائٹی کی نگاہ میں غیر اخلاقی تصور کیے جاتے ہیں۔ مثلاً دھماکہ خیز مواد سے خود ہلاک ہو کر اپنی حریف قوم کے عام آدمیوں کو اپنے ساتھ لے ڈوبنا، مظلوم کی نگاہ میں احتجاج کی ایک مؤثر شکل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ قدم اخلاقی نقطۂ نظر سے محلِ نظر ہے۔

آج فلسطین کی سرزمین پر اہلِ فلسطین کے خلاف ادھر پچاس سال سے جو کچھ ہو رہا ہے، اسے ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ فرانس، برطانیہ اور امریکہ بھی دیکھ رہے ہیں، جو نہ صرف ۱۹۱۷ء کے اعلانِ بلفور (Balfour Declaration) کے مطابق اسرائیل کو معرضِ وجود میں لانے کے جرم میں شریک ہیں۔ بلکہ عربوں کو رسوا و ذلیل کرنے کے لیے اسرائیل کو برابر ہتھیار بھی دے رہے ہیں۔ چنانچہ آج اسرائیلی فوج ٹینکوں اور فوجی طیاروں ایف ۱۶ پر بیٹھ کر نہتے شہریوں پر آگ برسا رہی ہے اور ان کے مکانات کو برسرِ عام مسمار کر رہی ہے۔ جس پر اسرائیل کے بعض انصاف پسند شہری بھی تڑپ اُٹھے ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جب کسی مشرقی ملک کی درخواست پر فلسطین میں بین الاقوامی امن فورس کے سوال پر سلامتی کونسل کا اجلاس بلایا جاتا ہے تو امریکہ سلامتی کونسل کے فیصلے کے خلاف ویٹو کر دیتا ہے۔ کیا فلسطین میں عام شہریوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف اسرائیلی فوج کی یہ کارروائیاں 'دہشت گردی' میں شمار نہیں ہوتیں؟ اسرائیل ۱۹۶۷ء سے فلسطین اور گولان پر قبضہ کیے بیٹھا ہے جسے سلامتی کونسل نے تسلیم نہیں کیا، بلکہ کہا کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء کی جغرافیائی حدود پر واپس جائے، لیکن اسرائیل آج تک سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو پاؤں تلے روندرہا ہے۔ برطانیہ کے معروف برطانوی فلسفی برٹینڈرسل (B. Russelle) نے اپنی موت سے ایک دن پہلے قاہرہ میں فلسطین کانفرنس کے نام اپنے پیغام میں کہا تھا: ''وہ تمام لوگ جو مشرقِ وسطیٰ میں خوں ریزی کو روکنا چاہتے ہیں، اُنہیں اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ اس بارے میں کوئی بھی سمجھوتہ اپنے اندر مستقبل کے بحران کے بیج نہ رکھتا ہو۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ اس سمجھوتہ کا پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ اسرائیل ان علاقوں کو خالی کردے جن پر اس نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کیا تھا۔ مشرقِ وسطیٰ کے لوگوں کے مصائب (کو ختم کرنے) اور انصاف کے لیے عالمی سطح پر مہم چلانے کی ضرورت ہے[۱]۔''

سلامتی کونسل کی قرارداد کو مسترد کرنا اور فلسطین کی سرزمین پر جارحانہ قبضے کو برقرار رکھنا اور اس کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز کو طاقت سے دبا دینا کیا دہشت گردی نہیں؟ نیویارک پر دہشت گردی کے بعد امریکہ اور مغربی ممالک قضیۂ فلسطین کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، یوں نظر آتا ہے کہ عالمی دہشت گردی کے بعد امریکہ کو احساس ہوا ہے کہ 'شبِ غم بری بلا ہے' اور انسان کو دہشت گردی کے ہاتھوں کس کرب اور دکھ سے گزرنا پڑتا ہے۔ اُمید ہے کہ امریکہ آج 'لذت آشنائے درد' ہو کر اب کبھی کسی 'مجنوں' پر 'سنگ' نہیں اُٹھائے گا۔ اگر اُٹھایا تو اپنا 'سر' یاد آجائے گا۔

۱۔ پورے بیان کے لیے ملاحظہ ہو:

The Islamic Review and Arab Affairs, London, February 1970, p.6.

"All who want to see an end to bloodshed in the Middle East must ensure that any settlement does not contain the seeds of furture conflict. Justice requires that the first step towrads a settlement must be an Israeli withdrawl from all the territories occupied in June 1967. A new world compain is needed to help brining justice to the long-suffering people of Middle East."

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں، اسد!
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

آج نیویارک اور واشنگٹن میں دہشت گردی نے جو خوف ناک کھیل کھیلا ہے، اس پر پوری دنیا کے اہلِ نظر افسردہ ہیں۔ لیکن وہ اخلاص سے یہ بھی رائے رکھتے ہیں کہ وقت آ گیا ہے کہ مغربی طاقتیں خاص طور پر برطانیہ، فرانس اور امریکہ اپنے روایتی کردار سے دست بردار ہو کر، مشرقِ وسطیٰ میں اپنا ایک مثبت اور اخلاقی کردار ادا کریں۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ گذشتہ چند سالوں میں انسان کے اخلاقی شعور میں صحت مند تبدیلیاں بھی آئی ہیں۔ جن سے انسان کے روشن مستقبل کی خبر ملتی ہے۔ مثلاً گذشتہ دنوں جاپان نے کوریا سے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ دوسری عالم گیر جنگ کے زمانہ میں کوریا جاپان کی زیادتیوں کا نشانہ بنا ہے۔ ایسے ہی چند سال قبل جاپان نے چین کے ساتھ کی گئی اپنی ناانصافیوں پر معذرت کی تھی۔

اس سے قبل پاپائے روم نے اپنی اخلاقی عظمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ان لاکھوں ہم مذہبوں (مثلاً یوکرائن اور یونان کے قدامت پسند نصرانی) سے معافی مانگی تھی، جن کے ساتھ رومن کیتھولک چرچ نے قرونِ وسطیٰ میں صرف اس لیے ناانصافیاں کی تھیں کہ وہ نصرانیت کی تشریح وتعبیر کے لیے اپنا علم کلام رکھتے تھے۔ ایسے ہی رومن کیتھولک چرچ نے قرونِ وسطیٰ میں یہودیوں کے ساتھ اپنے ناروا سلوک پر بھی معذرت کی ہے۔

کیا ہم مغرب کی بڑی حکومتوں: فرانس، برطانیہ اور امریکہ سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ پاپائے روم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اہلِ فلسطین سے اپنی سیاسی روش پر معذرت کریں گے جس کے ہاتھوں آج عرب خود اپنی ہی سرزمین میں غریب الوطن ہیں۔ یہاں اس بات کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ جب ۱۹۹۲ء اور اس کے بعد بوسنیا اور کوسووو (یوگوسلاویہ) میں سرب فوجی کمانڈروں اور یوگوسلاویہ کے سابق صدر نے انتہائی بے رحمی اور درندگی سے مسلم بستیوں کو ویران کیا تو مسلم آبادی کا ایک بڑا حصہ البانیہ اور مقدونیہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہولناک گھڑی میں یہ امریکہ اور اس کے ساتھی ہی تھے، جنھوں نے مسلمانوں کو بچایا اور نیٹو کی فوجی کمانڈ نے یوگوسلاویہ میں میلوسوچ حکومت کو نہ صرف ختم کیا، بلکہ آج میلوسوچ اور سرب لیڈر ہیگ عدالت میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ مغربی حکومتوں کا یہ کارنامہ بے شبہ بیسیوں صدی کا ایک مثبت اخلاقی اور سیاسی کارنامہ ہے۔

وقت کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھی آج امریکہ کی آنکھ کا کانٹا بنے ہوئے ہیں، کل تک یہی لوگ اس کی آنکھ کا تارا تھے۔ جب وہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں افغانستان میں روسی فوج کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اہلِ دانش نے ہمیشہ پاکستانی حکومت سے کہا ہے کہ وہ عالمی طاقتوں کی باہمی کشمکش سے الگ رہے۔ افسوس! حکومت بہ وجوہ کبھی بھی اس قیمتی مشورہ کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ جب ۱۹۸۹ء میں روسی فوج افغانستان سے نکل گئی اور کابل میں اقتدار کی جنگ شروع ہوئی تو پھر خونریزی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ امریکہ، پاکستان اور افغانستان کو تقدیر کے حوالے کر کے رخصت ہو گیا اور ہم نے دیکھا:

۱۔ افغانستان میں مجاہدین کسی سیاسی لائحۂ عمل پر اتفاق نہ کر سکے، جس سے افغان معاشرہ برابر توڑ پھوڑ کا شکار رہا۔

۲۔ پاکستان میں کراچی سے خیبر تک کلاشنکوف کلچر، منشیات اور امریکی دولت کے جلو میں آنے والے اخلاقی فساد (Corruption) کا راج قائم ہو گیا۔ دنیا میں جو چند ملک کرپشن میں پیش پیش تھے، ان میں ہمارا نام بھی آنے لگا۔ لیکن صد افسوس! ہم صحت مند سیاسی اور معاشی بنیادوں پر معاشرے کو استوار کرنے کی بجائے برابر نعروں کی گونج میں مگن رہے۔ حتیٰ کہ جب ۱۹۸۸ء میں مارشل لاء کے خاتمہ پر سیاسی دور آیا تو وہ بھی عوام کے مسائل حل نہ کر سکا۔ ہماری بیمار معیشت اور سیاست کی نبضیں برابر ڈوبتی گئیں اور معاشرے میں غریب عوام کی زندگی ایک 'درماندہ رہرو کی صدائے دردناک' بن کر رہ گئی، جسے سننے والا کوئی نہیں تھا۔ جب اکتوبر ۱۹۹۹ء میں 'جمہوری سیاست' کی بساط لپیٹ دی گئی اور فوج نے بیمار معیشت کی بحالی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے کو 'کرپشن' سے پاک صاف کرنے کے لیے کام شروع کیا تو آسمان سے ایک نئی بلا زمین پر نازل ہوئی۔ یعنی ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک اور واشنگٹن دہشت گردی کے ایک ہولناک حملے سے لرز اُٹھے اور نہ صرف امریکہ، مغربی ممالک، نیٹو کی فوجی کمانڈ بلکہ پرانے حریف روس بھی امریکہ کے ہم نوا ہو کر 'دہشت گردی' کے خلاف میدانِ کارزار میں اترے۔ امریکہ نے اہلِ مشرق سے پوچھا: ''کیا تم ہمارے ساتھ ہو، یا نہیں!'' یہ اندازِ بیان بتا رہا ہے کہ نیویارک اور واشنگٹن کا حادثہ اس کے اعصاب پر کس حد تک اثر انداز ہوا ہے!! جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ امریکہ نے نیویارک المیہ کے جواب میں افغانستان پر حملہ کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ حملہ افغانی عوام کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ فضائے آسمانی سے گرائے جانے والے خوفناک بموں سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ ''خانۂ انوری'' کے سوا کسی اور گھر کا رُخ نہ کریں۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

موجودہ وقت میں افغان جنگ کی وجہ سے ہمارے ملک کی معیشت پر مزید بوجھ آن پڑا ہے۔ ہزاروں انسان نہایت ہی بے کسی کی حالت میں افغانستان سے پاکستان میں داخل ہو رہے ہیں۔ جس سے ہماری معاشرتی اور معاشی زندگی کا متاثر ہونا ایک فطری بات ہے۔ اس نازک وقت میں ہماری دینی اور سیاسی جماعتوں کے تدبر کا امتحان ہو رہا ہے۔ جو جماعتیں اپنے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر مظاہرے کر رہی ہیں، انہیں ہندوپاک کے سیاسی ہنگاموں کی تاریخ سے آگاہ رہنا چاہیے، جو توڑ پھوڑ اور لوٹ مار سے بھری پڑی ہے۔ ان مظاہروں سے حکومت کو کوئی نقصان پہنچے یا نہ پہنچے۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ یہ مظاہرے، یہ ہنگامے اور یہ ہڑتالیں ہماری معاشی مشکلات میں اضافہ ضرور کریں گی اور ہم بے خبری میں اپنے ہی خنجر سے اپنی معاشی زندگی کا گلہ خود کاٹ لینگے۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بے شبہ اس نازک گھڑی میں اگر ہم نے سچائی کی راہ میں جاں فشانی، سنجیدگی، سوچ بچار اور محنت سے کام لیا تو اللہ یقیناً ہم پر اپنی راہیں کھول دے گا۔ (العنکبوت: ٦٩)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم نے ہمیشہ کہا ہے کہ پاکستان جمہوری عمل کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے اور اس کی بقا بھی جمہوری اور اخلاقی عمل ہی میں مضمر ہے۔ چنانچہ موجودہ فوجی حکومت نے حالیہ دہشت گردی کے خلاف عالمی محاذ کی جو تائید کی ہے، وہ اصولی طور پر صحیح ہے۔ اور شاید یہ پہلا سرکاری فیصلہ ہے جو حالیہ عالمی بحران پر بہت سوچ بچار کے بعد کیا گیا ہے۔ ورنہ ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۸۰ء تک مغرب کی خیمہ برداری کا 'اعزاز' حاصل کرنے کے لیے ہمارے سیاسی فیصلے صحیح نہیں تھے۔ وقت نے بتایا کہ ہاتھیوں (روس اور امریکہ) کی لڑائی میں ہم نے اپنے ہی کھیت برباد کیے ہیں۔ آج پوری دنیا سے الگ رہ کر ہم کسی جزیرے میں نہیں رہ سکتے۔ بے شبہ موجودہ نازک حالات میں میدانِ سیاست میں پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا بڑا مشکل کام ہے۔ کیوں کہ ہماری سیاسی روایت میں زندگی کے ٹھوس حقائق سے تغافل برتنا اور سیاست میں شعر و شاعری سے دل بہلانا ہمارا دل پسند مشغلہ رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہمارے عوام کو مایوسی، ویرانی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ یہاں اس سلسلے میں دو ایک مثالوں کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ۱۹۱۹ء میں خلافتِ تحریک نے ہندوستان چھوڑ کر افغانستان جانے کی مہم شروع کی جس میں سندھ، پنجاب اور دوسرے علاقوں سے ہزاروں لوگ 'قندہار چلو، قندھار چلو!' کے نعرے لگاتے ہوئے اپنی جائدادیں چھوڑ چھاڑ کر افغانستان چلے گئے اور ذلیل و رسوا ہو کر واپس ہوئے۔ اس حادثہ پر محمد سلیمان اشرف نے لکھا: ''اس بانگِ بے ہنگام نے سرحدی علاقے اور خطۂ سندھ میں بہت زیادہ اثر کیا۔ ہزاروں گھر تباہ ہو گئے، ہزاروں عورتیں بے سرپرست ہو رہ گئیں۔ ہزاروں بچے سایۂ پدری سے محروم کر دیئے گئے... لاکھوں کی جائیدادیں کوڑیوں کے مول ہندوؤں کے ہاتھوں بیچ دیں۔ تقریباً ایک لاکھ مسلمان اپنے املاک و جائداد سے دست بردار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔ (رسالۃ النور، علی گڑھ، ۱۹۲۱ء، ص ۴۴، حالاتِ حاضرہ پر ایک مصلحانہ نظر)

اس بانگِ بے ہنگام کے جذباتی فیصلوں کے خلاف اگر کوئی آواز اُٹھی، تو وہ صرف میاں فضل حسین، اور محمد علی جناح کی آواز تھی۔ آج وقت نے بتا دیا ہے کہ کون سی آواز عقل و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دانش کی آواز تھی۔ یہاں ایک دوسری مثال شاید ہمارے نقطۂ نظر کو مزید واضح کر سکے۔ ۱۹۲۷ء میں برصغیر کی مرکزی اسمبلی میں رائے صاحب ساردا (Rai Sahib Sarda) نے ہندوؤں میں کمسنی کی شادی کے خلاف ایک بل پیش کیا کہ یہ شادی بند ہونی چاہیے... بعد میں بعض مسلم ممبروں نے بھی اس کی مخالفت کی اور ۴۷ علمائے کرام نے اس بل کے خلاف فتویٰ دے دیا۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء کو اسمبلی میں اس بل پر بحث شروع ہوئی۔ اس بل پر بحث کرتے ہوئے محمد علی جناح (مرحوم) نے کہا: ''میں اسمبلی کے ایک ممبر کی حیثیت سے سب سے پہلے اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اس ملک میں کم سنی کی شادی ایک برائی ہے یا نہیں؟ کیا یہ انسانیت ہے کہ ابتدائی عمر میں ہزاروں اور لاکھوں لڑکیوں کی شادی کر دی جائے... کیا انسانیت کے نام پر اس ہال میں ایک بھی ممبر ہے جو اس سنگین برائی کی مذمت نہ کرے... میں ذاتی طور پر اس امر سے بے خبر تھا کہ یہ برائی کس حد تک مسلمانوں میں پائی جاتی ہے... کیا ہم اس خوف ناک برائی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر پائیں گے؟ میں اپنے دوست مسٹر غزنوی سے اس کا جواب پوچھتا ہوں۔ مجھے ایک عالم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ ہی میں ہوں۔ اور نہ ہی مجھے علمِ کلام پر سند ہونے کا دعویٰ ہے۔ لیکن بمبئی میں گذشتہ تیس سال کی پریکٹس کے بعد میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ شادی اسلامی قانون (Muhammadan Law) کی رو سے ایک معاہدہ ہے''[۱]

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ برصغیر کے علماء اور مشائخ کی اکثریت نے اس بل کے خلاف فتوے دیئے اور اسے نہ صرف شریعت میں مداخلت قرار دیا۔ بلکہ بعض مقامات پر انہوں نے سینکڑوں بچے، بچیوں کے نکاح بھی پڑھوا دیئے۔ اس بل کے خلاف اصحابِ عمائم کی 'متفقہ آواز' کے خلاف مرحوم محمد علی جناح کے ساتھ ساتھ ثناء اللہ امرتسری، خواجہ حسن نظامی (دہلی) اور ابوالکلام آزاد کی آوازیں بھی اٹھیں[۲]

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ایم۔ رفیق افضل، 'ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں قائداعظم ایم۔ اے۔ جناح کی تقریریں' (انگریزی) (۱۹۲۴ء-۱۹۳۰ء) شائع کردہ ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۳۰۹۔۳۱۱۔ اس تقریر میں مرحوم کے دماغ اور طرزِ بیان کی صفائی (Clarity of mind and expression) دیدنی ہے۔

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فکر ونظر (ادارہ تحقیقات اسلامی)، اسلام آباد، اکتوبر، ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۱-۱۳۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس قسم کے بیسیوں واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری اجتماعی سوچ غور وفکر کی راہ چھوڑ کر کس حد تک جذبات وعواطف کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتی رہی ہے اور آج تک کھا رہی ہے۔ بے شبہ اختلافِ رائے اور اس کا اظہار اجتماعی زندگی کی صحت و ترقی کے لیے ازبس ضروری ہے۔ لیکن حقائق سے تغافل کرنا اور ان کا سراغ لگانے کے بجائے مذہبی جذبات میں آگ لگا کر سیاسی مسائل کو مزید الجھانا دوسری بات ہے۔ اقبال نے سچ کہا:

جب تک نہ زندگی کے حقائق پر ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا، حریف سنگ

رشید احمد (جالندھری)

© rasailojaraid.com